شہر آشوب

مع مقدمہ و حواشی

مرتبہ

ڈاکٹر نعیم احمد

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
دہلی
1968

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کی روئیے اور کس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سادہ دل جسے فرسودگی نہیں — وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں — اب آگرے میں نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوئے رہگزار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار — کانٹے کا نام ان میں نہیں پھول درکنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار — کیاری میں خاک دھول روش پر اڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا — غنچہ، نہ پھل، نہ پھول، نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی، نہ بلبل کی ہے صدا — نے حوض میں ہے آب، نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک، تو ہے آبشار بند

(بند نمبر ۳۵)

بے دارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ — ٹوٹی حویلیاں ہیں تو پھوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغبان سے، ہر اک باغ کا نباہ — وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور اجڑے آہ
جس کا نہ باغبان ہو، نہ مالک، نہ خار بند

کیوں یاروں اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا — جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں، دیوانہ سا ہو رہا — سودا ہوا مزاج زمانہ کو اے خدا
تو ہے حکیم، کھول دے اب اس کے چار بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر — ہو آگرے کی خلق پہ اب مہر کی نظر
سب کھا دیں پیویں شاد رہیں اپنے اپنے گھر — اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

(کل بند ۳۸)

عاشق کہو، اسیر کہو آگرے کا ہے — مُلّا کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو آگرے کا ہے — شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ، چار بند

(۲)

مخمس[1]

دُنیائے دُوں کے تماشے

یہ جتنا خلق میں اب جا بجا تماشا ہے — جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
نہ جانو کم اسے یارو، بڑا تماشا ہے — جدھر کو دیکھو اُدھر ایک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

مرے یہ دیکھ تماشے، نہیں ہیں ہوش بجا — کہے بتاؤں میں سیدھا، کسے کہوں الٹا
جو ہو طلسمِ حقیقی، وہ جادے کب سمجھا — عجب بہار کی ایک سیر ہے، اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

---

[1] کلیات نظیر اکبر آبادی (مطبوعہ)، ص ۵۹۹ ـــــ ۶۰۳

نہیں ہے زور جنہوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں　　جو زور والے ہیں وہ آپ سے پچھڑتے ہیں
جھپٹ کے اندھے بھی پریوں کے تئیں پکڑتے ہیں　　نکالے چھاتیاں کبڑے پڑے اکڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے پر ہیں وہ پاؤں سے چلتے پھرتے ہیں　　جو بن پروں کے ہیں وہ پنکھے جھلتے پھرتے ہیں
مثال روح کے لنجے بھی چلتے پھرتے ہیں　　ہرن کی طرح سے لنگڑے اچھلتے پھرتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(بند نمبر ۵)

بنا کے نیاریا، زر کی دوکان بیٹھا ہے　　جو ہنڈی ڈال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے　　زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریں گھستی ہیں اور گدھ ڈھگو بڑھتے ہیں　　پتنگے بوند ہیں، مچھر فلک پہ چڑھتے ہیں
کتابیں کھول چند بیٹھے آیہ گڑھتے ہیں　　نماز بلبلیں، طوطے قرآن پڑھتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عراقی پھوس، ٹھٹیرے کھرے چباتے ہیں　　گدھے پلاؤ تئیں لات مار جاتے ہیں
جو شیر ہیں انہیں گیدڑ کھڑے چڑاتے ہیں　　برھمن تو ناچے ہے، مینڈک ملار گاتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بطوں کی لمبی دُمیں، مور سب لنڈورے ہیں　　سفید کوّے ہیں، چیلوں کے رنگ بھورے ہیں
جو سادھ سنت ہیں پورے سو وہ ادھورے ہیں　　کپٹ کی نَدی پنگلے بھگت کے پورے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

زباں ہے جس کی اشارت سے وہ پکارے ہے　　جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کلاہ ہنس کی، کوّا کھڑا اتارے ہے　　اُچھل کے مینڈک ہاتھی کے لات مارے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(بند نمبر ۱۰)

جو ہیں نجیب نسب کے، وہ بندے چیلے ہیں　　کمینے اپنی بڑی ذات کے تو یلے ہیں
جو باز شکرے ہیں، پا پڑ کھڑے وہ بیلے ہیں　　مگھر تو مر گئے، الّو شکار کھیلے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن ہیں خشک بنوں بیچ آب جاری ہے　　خراب پھول ہیں، کانٹوں کی گل عذاری ہے
سیاہ گوش کو پدڑی نے لات ماری ہے　　دبکتے پھرتے ہیں چیتے، ہرن شکاری ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے داڑھی ہے ان کی تو بات واہی ہے　　جو ڈاڑھی منڈے ہیں ان کی سند گواہی ہے
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے　　اُجاڑ شہر ہیں مُردوں کی بادشاہی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں میں عقل نہیں، وہ بڑے سیانے ہیں　　جو عقل رکھتے ہیں وہ باؤلے دوانے ہیں
زنانے شوق سے مَردوں کے پہنے بانے ہیں　　جو مرد ہیں وہ بڑے ہیجڑے زنانے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں، دور کی وہ سنتے ہیں　　جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دھنتے ہیں
دھوئیں برستے ہیں اولا بر تنکے چھنتے ہیں　　کباب بھیگتے ہیں اور ملیدے بھنتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(بند نمبر ۱۵)

چمگادڑ دن کے تئیں رت جگا مناتی ہے　　چھچھوندر اور کبھی گھی کے دیے جلاتی ہے
جو چُہیا ڈھول بجاتی ہے گھونس گاتی ہے　　گلہری بیٹھی ہوئی گلگلے پکاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو نوجواں ہے طوایف، وہ بوڑھی بھبلا ہے — جو بوڑھی پھوس ہے، بارہ برس کی ابلا ہے
بجے ہیں چھاج پڑے، چھلنیوں کا ڈھپلا ہے — نقارے پھٹ گئے، مردنگ ہے نہ طبلا ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

پہن کے ریچھنی پوشاک جب دکھاتی ہے — گدھوں سے ہنستی ہے، کتوں سے مسکراتی ہے
پری تو کوڑی کی مستی کو داغ کھاتی ہے — چڑیل پان کے بیڑے کھڑی چباتی ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

غبیث، دیو، پلید آہرا ک سے لڑتے ہیں — جو آدمی ہیں وہ ان سب کے پاؤں پڑتے ہیں
بلائیں لپٹی ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں — یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مردے لڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتھی کے تئیں لتاڑے ہے — شتر کے گھر کے تئیں لومڑی اجاڑے ہے
ہما کو بوم ہر ایک وقت مارے دھاڑے ہے — غضب ہے پودنا، سارس کا پر اکھاڑے ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

(بند نمبر ۲۰)

کھلے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں — بنولے پکتے ہیں، انگور آنب سڑتے ہیں
سنی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں — بخیل موتیوں کو موسلوں سے چھڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکر کے غم میں شکر خوری خاک اڑاتی ہے — جلیبی، پیڑوں اوپر، مکھی بھن بھناتی ہے
اڑیں ہیں مچھلیاں، مرغی کھڑی نہاتی ہے — جنگل کی ریت میں، مرغابی غوطہ کھاتی ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ٹھگ تھے، اپنی وہ ٹھگ بدیا سے چھوٹے ہیں — مسافر اُن کے گلے پھانسی ڈال گھوٹے ہیں
اندھیری رات میں گھر چوٹوں کے پھوٹے ہیں — سبھوں کو دن کے تئیں ساہوکار لوٹے ہیں

غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

تدرو روتے ہیں اور زاغ کھلکھلاتے ہیں — خموش بلبلیں اور بھنگے چہچہاتے ہیں
چڑے، ٹاریاں اور پدّے، بنگلے چھاتے ہیں — بلوں کو چھوڑ کے چوہے محل اٹھاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

چرند جتنے ہیں پر جھاڑ جھاڑ اڑتے ہیں — پرند گرتے ہیں اور بوٹی جھاڑ اڑتے ہیں
پڑی ہیں بستیاں ویران، اجاڑ اڑتے ہیں — اٹل ہو بیٹھے ہیں روڑے، پہاڑ اٹھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

(بند نمبر ۲۵)

سلیماں بھوکے ہیں، چیونٹی کے پاس ڈھیری ہے — کلنگ بزّے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
عجب اندھیرے اجالے کی پھیرا پھیری ہے — اندھیری چاندنی ہے اور چاندنی اندھیری ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

(کل بند ۲۶)

عزیز تھے سو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر — حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحبِ توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر — اچنبھے خلق کے کیا کیا بیاں کروں میں نظیر
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے